مسلک اہلحدیث کا علمی داعی اور ترجمان
ہفت روزہ
الاعتصام
لاہور
پاکستان
جلد ۳۶ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۸۴ء جمعۃ المبارک ۲۳ محرم ۱۴۰۵ھ شمارہ ۱۲
مندرجات
اداریہ ۳ - ۴
تتمۃ الصبی (درس حدیث) ۵ - ۶
تحریک تحفظ ختم نبوت کے بانی ۷ - ۸
چند سوال اور ان کے جواب ۹ - ۱۱
اسلام اور عدم تشدد ۱۲ - ۱۷
مصالحتی عدالتیں ۱۸ - ۱۹
تبصرہ کتب ۲۰ - ۲۱
اطلاعات و اعلانات ۲۲ - ۲۳
مدیر مسئول
محمد عطاء اللہ حنیف
مدیر
حافظ صلاح الدین یوسف
علیم ناصری ایم اے
معاون
محمد سلیمان انصاری
سالانہ ۔۔۔ ۵۰ روپے
فی پرچہ ۔۔۔ ۵۰/۱ روپیہ
ممالک غیر : ۲۰ پونڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہفت روزہ الاعتصام لاہور

فون دفتر الاعتصام ۰۰۴۴۵
جلد ۳۶
شمارہ ۱۲

فون: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف (گھر): ۶۲۴۷۶
۱۹۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء
۲۳ محرم ۱۴۰۵ھ

محرم کے دوران کراچی میں فساد کے محرکات

گزشتہ سال محرم الحرام میں کراچی میں فسادات کا سلسلہ خاصا تکلیف دہ رہا تھا۔ اس میں جانی اور مالی نقصان کے علاوہ امن عامہ میں بھی بہت خلل واقع ہوا تھا۔ کئی دنوں تک مخدوش علاقوں میں کرفیو نافذ رہا۔ اور معاشرتی زندگی میں تعطل نے بہت طول کھینچا۔ اس سال بھی سرکاری رپورٹ کے مطابق فسادات میں کئی علاقے کرفیو کی زد میں ہیں۔ بہت سے افراد ہلاک اور بہت سی عمارتوں کو آگ لگ چکی ہے۔ ادھر حکومت نے فسادات پر قابو پا کر ایک کمشن مقرر کر دیا ہے۔ جو ان وجوہات کا جائزہ لے گا جو اس فرقہ وارانہ فساد پر منتج ہوتی ہیں۔

یہ نہایت افسوسناک امر ہے کہ دیگر اقوام اپنی تقویم کے سال کے آغاز پر گذشتہ سال کی کوتاہیوں اور آئندہ سال کے لئے بہتر عزائم کا جائزہ لیتی ہیں اور اپنی قومی روایات کے مطابق اپنے فکر و عمل کا لائحہ عمل تیار کرتی ہیں مگر ہمارے ان ہجری سال کا یوم اول ماتم گساری اور سینہ کوبی کی صبح لے کر طلوع ہوتا ہے۔ پاک و ہند میں تو مسلمانوں کا ایک فرقہ (شیعہ) ہی اس روایت کو گلے سے لگائے ہوئے ہی ہے لیکن سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ سُنیوں نے بھی شیعہ حضرات کا ہمنوائی اور ہمقدمی بلکہ بعض صورتوں میں تو "پیش قدمی" سے جاری کر رکھی ہے۔ محرم کی مجلسوں اور جلوسوں کی تمام تر جلوہ سامانی سُنیوں کی اکثریت کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ جلوسوں کے لئے پانی کی "سبیلوں" اور چاول کی دیگوں کا وافر انتظام سُنی نیاز مندوں کی "نیاز آرائی" کا مظہر ہوتا ہے۔ جلوس کی گزرگاہوں کے دونوں جانب تماشائیوں کے لشکر کھڑے ہوتے ہیں۔ اور دوکانوں اور مکانوں کی منڈیروں پر بے پردہ عورتوں کا جمِ غفیر ماتم گزاروں اور مرثیہ خوانوں کی نگاہوں کا مرکز ہوتا ہے۔ ضعیف الاعتقاد مائیں اپنے بچوں کو گھوڑے کے نیچے سے گزار کر "ثواب" حاصل کرتی اور بزعمِ خویش بچے کی طویل العمری اور صحت و سلامتی کا عقیدہ مضبوط کرتی ہیں۔ یہ تمام کم اعتقادیاں اہلِ جلوس کی حوصلہ افزائی ہی نہیں کرتیں بلکہ وہ ان کو اپنی فرقہ وارانہ اکثریت کا مظہر قرار دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ خود حکومت نے اس کو اسلام کی ایک اہم خدمت تصور کر لیا ہے کہ یکم محرم سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن مسلسل واقعاتِ کربلا کو دہراتے ہیں۔ مرثیہ خوانی ہوتی ہے، سوز و سلام گائے جاتے ہیں۔ تقاریر اور مذاکرے وغیرہ منعقد ہوتے ہیں۔ ان میں صرف شیعہ حضرات ہی نہیں اہلِ سنت کے "دانشور" بھی شیعہ روایات ہی کو دہراتے چلے جاتے ہیں۔ اور اہلِ تشیع کی ہمنوائی میں یہ یک طرفہ پراپیگنڈہ دس دن تک متواتر جاری رہتا ہے۔ اس تمام کارگزاری سے یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ اہلِ تشیع

ہی دراصل حق پر ہیں۔ اور اصل اسلام وہی ہے جو ان کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس طرح شیعہ حضرات اپنے اقوال و افعال میں خاصے بے باک ہو چکے ہیں۔ اور ان کا "تقیہ" کا تصور ختم ہو کر "حاکمیت" کی حدود کو چھونے لگا ہے جس کے باعث وہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی اور دیگر اکابر اہل سنت پر زبان درازی کرنے سے نہیں چوکتے جس سے کچھ غیرت مندوں کے دل میں ضرور اشتعال پیدا ہوتا ہے، جو بدمزگی کا سبب بن جاتا ہے۔ ورنہ جو قوم خود ماتم میں تعاون شہدائے کربلا سے عقیدت اور شیعی روایات کی ہمنوا ہو۔ اس سے تصادم کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟ جو لوگ شہدائے کربلا کو مشکل کشا اور ان کے گھوڑے کو "حاجت روا" جانتے ہوں وہ کیونکر ان کے عقیدت مندوں سے اختلاف کی جرأت کر سکتے ہیں —؟

ہمارے خیال میں فرقہ وارانہ کشیدگی یا تصادم کا باعث جلوس آرائی ہے۔ حکومت کو چاہیئے کہ اس کو مذہبی جلوس سمجھنا چھوڑ دے۔ یہ جلوس ہمیشہ سے سیاسی رہا ہے۔ اور امویوں اور عباسیوں کے خلاف یہ غوغا آرائی ہمیشہ سیاسی رنگ میں ہوتی رہی ہے۔ آج یہاں اگرچہ نہ تو اموی برسر اقتدار ہیں نہ عباسی مگر کربلا کی بیشتر خودساختہ داستانیں دہرانے اور سڑکوں اور بازاروں میں پھر پھر کر روایتی پراپیگنڈہ کرنے کا مقصد اپنی سیاسی قوت نمائی اور اپنے عقائد کی زیادہ سے زیادہ تشہیر ہے۔ جس میں ہماری حکومت اور عوام دونوں برابر کے حصہ دار ہیں — اب جبکہ تمام سیاسی جلوسوں کی ممانعت ہے۔ جن سے حکومت کو بدنظمی کا خدشہ رہتا ہے تو یہ جلوس جو واقعی بدنظمی کا باعث ہیں۔ ان پر قدغن لگانے میں کونسا گناہ عائد ہو جائے گا اور شریعت کی رو سے کس حدیث یا قرآن کی کس آیت کی مخالفت ہو جائے گی؟ — حکومت جو ہر وقت یہ تلقین کرتی رہتی ہے کہ اپنے اپنے عقاید کی تبلیغ مثبت انداز میں کرو تو مثبت انداز یہی ہے کہ تمام مکاتب فکر اپنے مواعظ کے لئے اپنی مسجدوں یا اگر واقعی کوئی دن ہی مقرر ہیں تو "جلسہ ہالوں" میں اجتماعات کریں۔ سڑکوں پر کوئی جلوس نہ نکالا جائے۔ وہ خواہ محرم کا ہو، "میلاد النبی" کا ہو۔ اور خواہ "جشن آزادی" کا ہو — یہ جو ہر فرقے کو جلوس بازی کی اجازت دی گئی ہے یہ کوئی اسلامی خدمت نہیں بلکہ نمائش اور ہنگامہ آرائی ہے جو سنجیدہ قوموں کا شیوہ نہیں۔ اسلام کی پوری تاریخ میں جلوس نما اجتماعات کی اگر کوئی صورت دکھائی دیتی ہے۔ تو وہ یا تو دشمنوں پر لشکر آرائی کے لئے تھی یا اس کے برعکس اہل بغاوت کے خروج کی ...... اس کے علاوہ کسی دینی ضرورت یا تہوار کے سلسلے میں جلوس کی مثال نہیں ملتی۔ اگر کوئی حج یا عیدین کے اجتماعات کو مثال بناتا ہے تو اس کو اپنے فکر و شعور کا علاج کروانا چاہیئے — یہ دونوں عبادات میں شامل ہیں۔ الٹے تلوں میں نہیں۔ نعوذ باللہ!! اگر یہاں فرقہ وارانہ کشیدگی کو دور کرنا ہے تو اس نہج پر غور کرنا چاہیئے۔ اور ہر قسم کے جلوسوں پر قدغن لگانی چاہیئے۔ یہ طریق کار قطعاً مذہب کا حصہ نہیں۔ وما علینا الا البلاغ۔!!

اسلامی نظام عدل کی برتری (بلاتبصرہ)

(جدہ میں مقیم ایک امریکی شہری کے خط بنام "نیوز ویک" کا اردو ترجمہ جس میں اس نے اسلامی نظام عدل کو درست قرار دیتے ہوئے نیوز ویک کی طرف سے اسلامی شریعت پر بے جا تنقید پر احتجاج کیا ہے)

"میں سعودی عرب میں مقیم ایک امریکی شہری کی حیثیت سے واشنگٹن (امریکہ) کے ایک امریکی اہلکار کے اس بیان پر احتجاج کرتا ہوں جس میں اس نے کہا ہے کہ شریعت یعنی اسلامی نظام عدل کے نفاذ سے "انسانی حقوق" کی خلاف ورزی ہوتی ہے (ورلڈ افیئرز - ۱۳ اگست) میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی بھی شخص جس کے ہاں ڈاکہ پڑا ہے یا عورت کی عصمت دری ہوئی ہے یا اس کے خاندان کا کوئی فرد

(باقی ص۱۲ پر)

درسِ حدیث (قسط ۸ آخری) تنقیح و تہذیب، حافظ صلاح الدین یوسف

تمیمۃ الصبیّ فی ترجمۃ الاربعین من احادیث النبیّ

(تالیف: حضرت والاجاہ نواب سید محمد صدیق حسن خاںؒ ۔ متوفی ۔ ۱۳۰۷ھ)

۳۷ ۔ بادشاہت قریش میں ہے

حدیث سی و ہفتم ۔ اَلْمُلْكُ فِي قُرَيْشٍ ۔ رواہ الترمذی ۔

"خلافت اور بادشاہی قریش میں ہے"

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وَ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ فرمایا ہے۔ اس کی تفسیر میں کرمانی نے غرائب التفسیر میں لکھا ہے کہ قریش کو اس بات سے امن (بے خوفی) ہے کہ خلافت ان کے سوا کسی اور میں نہ ہوگی۔ اسی لئے اہل سنت والجماعت نے امام کے لئے قرشی النسب ہونے کی شرط عائد کی ہے۔ البتہ خوارج اور معتزلہ اس شرط کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک خلافت قریش کے ساتھ خاص نہیں۔

قریش کا لفظ عام ہے جس میں قریش کے تمام قبیلے شامل ہیں۔ بنو ہاشم ہوں یا اور کوئی قبیلہ۔ اس لئے کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت نص اور اجماع سے ثابت ہے حالانکہ ان کا تعلق بنو ہاشم سے نہیں ہے تاہم شیعہ خلافت کو بنو ہاشم اور اہل بیت کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک حدیثِ مذکور کا مطلب یہ ہے کہ خلیفۂ اسلام باتفاق و اجتماعِ اہلِ اسلام ہوتا ہے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ جب بھی کسی کو حاکم اور سربراہ بنائیں تو قریش سے بنائیں کہ حدیث کی رُو سے بادشاہت قریش میں ہونی چاہیئے۔

پھر جب خلافتِ اسلام جاتی رہی اور حاکم بہ جبر و غلبہ ہونے لگے تو خلافت قریش میں نہ رہی جس طرح کہ اب مختلف اسلامی ملکوں کا حال ہے کہ ان کے حاکم اور سربراہِ حکومت مسلمان تو ضرور رہیں لیکن قریشی نہیں۔

اور شریعت میں خلیفہ اس کو کہتے ہیں جس کو مسلمانوں کے اہلِ حل و عقد اتفاقِ رائے سے خود حاکم بنائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعتِ اطاعت کریں۔ اور جو شخص خود بہ تغلّب تلوار کے زور سے حاکم بنے اور مسلمان ہو تو اس کی اطاعت بھی ان امور میں لازم ہے۔ جن میں خدا اور رسول کی مخالفت نہ ہو۔ اور جو بھی خدا و رسول کا مخالف ہو، خلیفہ ہو یا بادشاہ، اس کی اطاعت مسلمانوں کے لئے ضروری نہیں۔

۳۸ ۔ قاضی ہونا انصار میں ہے

حدیث سی و ہشتم ۔ اَلْقَضَاءُ فِي الْأَنْصَارِ ۔ رواہ الترمذی

"قاضی ہونا انصار میں ہے"

فائدہ:۔ جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا جو ایک انصاری تھے۔ حاصل یہ ہے کہ قاضی قوم انصار میں سے ہونا چاہیئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ انصار میں سے لوگ قاضی بنائے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔ ان کے اندر فصلِ خصومات کی سمجھ اور معاملہ فہمی بہت ہے۔ جیسے حُسنِ اتفاق سے شیخ زین العابدین عرب انصاری بھوپال کے قاضی ہوئے۔ اور جو شہادت کا مستحق ہے وہ قضا کے لائق ہے۔ اس لحاظ سے کافر، دیوانے، مملوک، لڑکے اور فاسق کو قضا کا استحقاق نہیں ہے۔ اور شرع میں قاضی اس کو کہتے ہیں جو مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان

جھگڑوں کا فیصلہ کرے اور حاکم ہو۔ حدود و تعزیر وغیرہ کے سلسلے میں شریعت کا حکم نافذ کرنے کا اختیار اسی کے پاس ہو۔ اب ہندوستان میں چونکہ اسلام کی سلطنت ختم ہوگئی ہے تو یہاں عہدۂ قضا بھی نہیں ہے۔ تاہم یہاں مفتیوں کو قاضی کہا جاتا ہے جو نکاح پڑھانے اور مسئلے مسائل بتلانے کا کام کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ مفتی ہیں۔ قاضی نہیں ہیں۔

۳۹۔ اذان حبشہ میں ہے

حدیث ۳۹ سی ذہیم۔ اَلْاَذَانُ فِی الْحَبَشَۃِ۔ رواہ الترمذی

"اذان کہنا قوم حبش میں ہے"

فائدہ:۔ جیسے حضرت بلال رضؓ حبشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ اذان کے لئے کسی حبشی کو مقرر کرنا چاہیئے کہ یہ اذان خوب دیتے ہیں۔ اور اذان کا ثبوت عبداللہ بن زید انصاری اور امیر المؤمنین عمر فاروق رضؓ کے خواب سے ملتا ہے بعض احادیث میں آتا ہے کہ جس گھر میں کوئی حبشی ہو تو اس گھر میں رزق اور برکت داخل ہوتی ہے [۱] (غالباً) اسی لئے بہت سے لوگ اور بادشاہ حبشی غلام اپنے پاس رکھتے ہیں کہ یہ بہت وفادار اور کام کے ہوتے ہیں۔ اور حبش نام ہے حبش بن کوس بن کنعان بن حام بن نوح علیہ السلام کی نسل کا۔

حکایت لکھا ہے کہ جب حضرت بلالؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے تو آپ کی تعریف میں انہوں نے اپنی زبان حبشہ میں یہ شعر پڑھا ؎

اَرَہْ بَرَہْ کَنْکَرَہْ کَرَاکَرِیْ مُنْدَرَہْ

حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا ؎

وَاِذَا الْمَکَارِمُ فِیْ آفَاقِنَا ذُکِرَتْ
فَاِنَّمَا بِکَ فِیْنَا یُضْرَبُ الْمَثَلُ

---

[۱] اس حدیث کا کوئی حوالہ نواب صاحبؒ نے نہیں دیا۔ اگر کسی صاحب علم کی نظر میں ہو تو مطلع فرمائیں (ادارہ)

یعنی "جب ہمارے ملکوں میں مکارم (عمدہ اخلاق و صفات اور بزرگیوں) کا تذکرہ ہوتا ہے تو ضرب المثل کے طور پر آپ ہی کی بزرگیوں کو پیش کیا جاتا ہے"

حاصل یہ ہے کہ ساری بزرگیاں آپ کی ذات پاک میں منحصر ہیں۔ جو مجمع کرامات دیکھنے کا شائق ہو وہ آپ کو دیکھ لے۔ سچ ہے ؎

خطِ سبز و لب لعل و رُخ زیبا داری
حسن یوسفؑ، دمِ عیسٰی ید بیضا داری
شیوہ و شکل و شمائل حرکات و سکنات
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور کیا خوب فرمایا ہے حضرت شیخ عبدالرحمٰن جامیؒ نے ؎

یا صاحبَ الجمالِ ویا سیّدَ البشر
مِن وَجْہِکَ المُنیرِ لقد نُوِّرَ القمر
لایمکن الثناءُ کما کان حقُّہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

۴۰۔ امانت قوم ازد میں ہے

حدیث ۴۰ حبیلم۔ اَلْاَمَانَۃُ فِی الْاَزْدِ۔ رواہ الترمذی

"امانت قوم ازد میں ہے"

فائدہ:۔ یعنی اس قوم کے اکثر لوگ امین ہوتے ہیں۔ اور اَزد سے مراد یمن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امین یمن کے رہنے والوں میں سے بنانے چاہئیں اور یہ منصب ان کو دینا زیادہ اچھا ہے۔ اور انصاریوں کا نسب بھی قبیلۂ ازد سے ملتا ہے۔ یہ عربی ہیں مگر قریشی نہیں۔ یہ چاروں حدیثیں جامع ترمذی کی ہیں۔

خاتمہ الحمدللہ۔ چہل حدیث نبوی مع اردو ترجمہ مکمل ہوگئی۔ ہمارے آباء و اجداد نے خاکِ قنوج کو، جو کہ ہندوستان کا ام البلاد ہے۔ اپنا وطن ٹھہرایا۔ اس لحاظ سے ہم اس ملک میں غریب الدیار ہیں۔ ہمارا اصلی وطن مدینہ طیبہ ہے۔ پس ہماری سعادت مندی اس میں ہے کہ ہم اس ملک (ہندوستان)

(باقی ص ۲۲ پر)

قسط نمبر ۲ آخری

ڈاکٹر محمد سلیمان

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت کے بانی

تحریک کے ابتدائی دو سالوں (۱۸۹۱ء - ۱۸۹۲ء) کی روشنی میں

فتویٰ تکفیر

تحریکِ ختمِ نبوت میں ۱۸۹۲ء کا سال اس لئے بھی سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس سال کے دوران میں دوسری سرگرمیوں کے علاوہ دنیائے سلام میں پہلی مرتبہ مرزا غلام احمد کے عقائد و نظریات کا پوری ِقتِ نظر اور احتیاط سے جائزہ لے کر ان پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ فتویٰ تکفیر مولانا محمد حسین بٹالوی کے ایک سوال کے جواب میں یاں نذیر حسین دہلوی نے دیا تھا اور ہند کے بے شمار علماء نے یٔیدی دستخط ثبت فرمائے تھے۔ یہ فتویٰ ۱۸۹۲ء کے آخر میں ری ہو چکا تھا جیسا کہ مرزا غلام احمد کے ۳۱ دسمبر ۱۸۹۲ء کے سخط بنام مولانا محمد حسین بٹالوی سے بھی ظاہر ہوتا ہے، جو ج ذیل ہے۔

"میں افسوس سے کہتا ہوں کہ میں آپ کے فتویٰ تکفیر کی رے جس کا لقینی نتیجہ احد الفریقین کا کافر ہونا ہے۔ اس خط سلام مسنون سے ابتدا نہیں کر سکا۔" ان الفاظ کے بعد مرزا صاحب قلم بے قابو ہو گیا اور لکھا "اے شیخ نامہ سیاہ اس دروغ فروغ کے جواب میں کیا لکھیں اور کیا کہوں۔ خدا تعالیٰ تجھ کو پ ہی جواب دیوے کہ اب تو حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔"[19]

میاں نذیر حسین دہلوی کا یہ فتویٰ مولانا محمد حسین نے اپنے الہ اشاعۃ السنۃ[20] میں شائع کیا جو تقریباً دو صد صفحات پر محیط ہے۔ (اس طرح کا ایک مختصر فتویٰ میاں صاحب کے فتاویٰ نذیریہ[21] میں بھی موجود ہے۔) اس فتوے نے تمام علمائے ہند کے قلوب و اذہان میں مسئلے کی حیثیت و اہمیت واضح کر دی تھی۔

خود مرزا غلام احمد کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ فتویٰ تکفیر نذیر حسین دہلوی نے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:" وہ فتویٰ جو ہماری (مرزا غلام احمد) تکفیر میں رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۵ جلد ۱۳ میں شائع ہوا۔ اس کے راقم اور استفتاء کے مجیب یہی شیخ الکل (نذیر حسین) ہیں۔"[22]

ایک اور جگہ لکھا ہے۔" مولوی محمد حسین نے یہ فتویٰ تکفیر لکھا اور میاں نذیر حسین دہلوی سے کہا کہ سب سے پہلے اس پر مہر لگا دے اور میرے (غلام احمد) کفر کی نسبت فتویٰ دے دے اور تمام مسلمانوں میں میرا کافر ہونا شائع کر دے۔ سو اس فتوے اور میاں صاحب مذکور کی مہر سے بارہ برس پہلے یہ کتاب (براہین احمدیہ) تمام پنجاب اور ہند میں شائع ہو چکی تھی۔ اور مولوی محمد حسین جو بارہ برس بعد اوّل المکفرین بنے۔ بانی تکفیر کے وہی تھے۔ اور اس آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے تمام ملک میں سلگانے والے میاں نذیر حسین دہلوی تھے۔"[23]

اسی طرح مرزا غلام احمد نے نزول المسیح میں اپنا ایک الہام

۱۹؎ مکتوبات احمدیہ ۔ ج ۴ ۔ ص ۰ ۴

۲۰؎ نمبر ۵ ، ج ۱۳ ، ۱۸۹۲ء

۲۱؎ فتاویٰ نذیریہ ، لاہور ، ۱۹۷۱ء ، ج ۱ ، ص ۸ - ۷

۲۲؎ مرزا غلام احمد ۔ کتاب البریہ مصنفہ ۱۸۹۸ء ، ص ۱۱۸

۲۳؎ مرزا غلام احمد ۔ تحفہ گولڑویہ ، مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ۔ قادیان ۱۹۱۴ء ، ص ۱۲

درج کیا ہے۔ جو ۲-۱۸۸۰ء میں ہوا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے: "اور یاد کر وہ زمانہ جب کہ ایک شخص تجھ سے مکر کرے گا کہ جو تیری تکفیر کا بانی ہوگا اور اقرار کے بعد منکر ہو جائے گا۔ یعنی محمد حسین بٹالوی اور وہ اپنے رفیق کو کہے گا یعنی مولوی نذیر حسین دہلوی کو کہ اے ہامان میرے لئے آگ بھڑکا یعنی کافر بنانے کے لئے فتویٰ دے"[24]

یہ الہام اسی وقت کا ہے جب مرزا غلام احمد اپنے دعاوی کا آغاز کر رہے تھے اور ان کے بقول انہیں اسی وقت معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے خلاف پہلا تیر کس جانب سے آئے گا۔

سید نذیر حسین کے اس فتوے سے نہ صرف علمائے اسلام نے استفادہ کیا بلکہ دیگر مذاہب کے اہل علم نے بھی مرزا غلام احمد کے ساتھ بحث و مناظرہ میں اس سے مدد لی ہے جیسا کہ مرزا غلام احمد کی درج ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

"بعض دوست اندیشہ نہ کریں کہ ممکن ہے شیخ محمد حسین بٹالوی جو عوام میں مولوی کر کے مشہور ہے۔ اس وقت بھی ہمارے رسالے کے شائع ہونے پر بالمقابل عربی رسالہ بنانے میں عیسائیوں کی ایسی ہی مدد کرے گا جیسا کہ اس نے جون ۱۸۹۳ء میں ہمارے مباحثہ کے وقت پوشیدہ طور پر ان کی مدد کی تھی۔ اور اپنے اشاعۃ السنہ کا فتویٰ بھیج دیا تھا"[25]

اور پھر اس فتوے کا نام لے کر کس طرح انگریز حکومت کو مسلمان علماء کے خلاف ابھار رہا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

"اور جو فتوائے تکفیر نذیر حسین دہلوی کی طرف سے اس عاجز کی نسبت شائع ہوا ہے اور جو اشتہار تکفیر اس فتوے پر زور دینے کے لئے اس عبدالعزیز مولوی (لدھیانوی) اور اس کے بھائیوں کی طرف سے نکلا ہے ان کاغذات کو اگر کبھی گورنمنٹ غور سے دیکھے تو ثابت ہو گا کہ یہ سب لوگ درحقیقت ایک ہی ہیں۔ ایک خونی مہدی اور خونی مسیح کے دن رات منتظر ہیں۔ سول ملٹری گزٹ کی کس قدر سادہ لوحی ہے کہ جو شخص ایسے خیالات کو مٹانا چاہتا ہے اور صلح کاری کی بنیاد ڈالنے والا ہے اس کو مفسد قرار دیتا ہے اور مفسدوں کے خیالات سے بے خبر ہے"[26]

ان حوالہ جات سے ہمارا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ مرزا غلام احمد کے خلاف پہلا فتویٰ تکفیر جو ۱۸۹۲ء میں جاری ہوا۔ وہ سید نذیر حسین دہلوی نے دیا تھا اور باقی علمائے ہند نے اس معاملے میں ان کا اتباع کیا تھا۔ اور اپنے تائیدی دستخط فرمائے تھے۔ حوالہ جات کے اس سلسلے کی آخری کڑی کے طور پر ہم مرزا غلام احمد کی ایک اور عبارت نقل کئے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"چونکہ علمائے پنجاب اور ہندوستان کی طرف سے فتنۂ تکفیر و تکذیب حد سے زیادہ گزر گیا ہے اور یہ نقطہ علماء بلکہ فقراء اور سجادہ نشین بھی اس عاجز کے کافر اور کاذب ٹھہرانے میں مولویوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں" ایسا ہی ان لوگوں کے اغوا سے ہزارہا ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ وہ ہمیں نصاریٰ اور ہنود سے بھی اکفر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس تمام تکفیر کا بوجھ نذیر حسین دہلوی کی گردن پر ہے مگر تاہم دوسرے مولویوں کا یہ گناہ ہے کہ انہوں نے اس نازک امر تکفیر میں اپنی عقل اور اپنی تفتیش سے کام نہیں لیا بلکہ نذیر حسین کے دجالانہ فتوے کو دیکھ کر جو محمد حسین بٹالوی نے تیار کیا تھا بغیر تحقیق و تنقیح کے ایمان لے آئے ہیں۔ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ اس نالائق نذیر حسین اور اس کے ناسعادت مند شاگرد محمد حسین کا یہ سراسر افترا ہے کہ ہماری طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ گویا ہمیں معجزاتِ انبیاء سے انکار ہے یا ہم خود دعویٰ نبوت کرتے ہیں"[27]

بہر حال مرزا صاحب کا دعویٰ مسیحیت ۱۸۹۱ء میں

---

[24] - مرزا غلام احمد۔ نزول المسیح۔ مطبوعہ ۱۹۰۹ء، ص ۱۵۲

[25] مجموعہ اشتہارات مسیح موعود، ج ۲ ص ۶ ماخوذ اشتہار بمقابلہ پادری عماد الدین، شائع شدہ ۱۸۹۴ء

[26] مجموعہ اشتہارات مسیح موعود ج ۲، ص ۱۲۸ ماخوذ از اشتہار ۲۰ ستمبر ۱۸۹۴ء

[27] - مرزا غلام احمد۔ انجام آتھم۔ مطبوعہ ۱۸۹۷ء، ص ۴۵۔ ماخوذ از اشتہار شائع کردہ ۱۸۹۷ء (داغلباً)

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

بحث و نظر

(قسط ۳ آخری)

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مدظلہ العالی

چند سوال اور اُن کے جواب

امام زہری • مسئلہ فدک • حدیث قرطاس • احادیثِ صحیحین

۱۳ - یاد رہے امام دارقطنی کا انتقاد بھی متون کے ضعیف کی حیثیت سے نہیں بلکہ ان کی سندوں پر فن حدیث کی حیثیت سے ہے یعنی انہوں نے بعض متون کے بہت سے طرق پر نظر کرتے ہوئے امام بخاری یا امام مسلم، یا دونوں سے اختلاف کیا اور کہا کہ فلاں سند یوں نہیں یوں ہونی چاہیئے تھی. مثلاً کوئی حدیث صحیحین میں موصول روایت ہوتی ہے، مگر دوسرے طرق پر نظر کرتے ہوئے امام دارقطنی کہیں گے کہ راویوں کے صفات و تعداد کے اعتبار سے موقوف راجح ہے یا مثلاً صحیح بخاری میں کوئی حدیث ایک راوی سے مروی ہے مگر دوسرے طرق پر نظر کرتے ہوئے امام دارقطنی کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ روایتی حیثیت سے دوسرے کسی راوی سے زیادہ درست ہے. امام بخاری کو چاہیئے تھا کہ اس طریق کو اختیار کرتے وقس علی هذا

علامہ محمد منیر دمشقی لکھتے ہیں - انتقد الامام الدار قطنی المتوفی ۳۸۵ وغیرہ من النقاد احادیث فی الصحیحین اخلا فیہا بشرطہما ویرجع وجہ الانتقاد الی اختلاف الرواۃ فی رجال الاسناد زیادۃ ونقصا او تغییر البعض الرجال او انفراد بعضہم بزیادۃ فی المتن عمن ھو اکثر او اضبط او تفرد من ضعف الی غیر ذلک [1]

ان سب صورتوں کی تفصیل ان کی مثالوں سمیت حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری (ص ۸۱ - ۱۱۰ ج ۲) علامہ سیوطی نے تدریب الراوی (ص ۴۳ - ۸۵) علامہ محمد بن ابراہیم نے الروض الباسم (ص ۷۹ - ۸۴ ج ۱) نے کی ہے۔ علامہ یحییٰ عامری یمنی ان استدراکات کے متعلق لکھتے ہیں۔ ذلك مثل ان یرفع الحدیث بعض الرواۃ ویقفه الاکثرون او یسندہ ویرسلوہ او یختص بزیادۃ ولا یوافقوہ او یخرجا ممن اختلف فی توثیقه ومنه ما حمل علی الوہم منہما او من النقلة منہما تارۃ فی المتن وتارۃ فی الاسناد [1]

پھر ان اعتراضات و استدراکات کے جواب محدثین نے امام بخاری و امام مسلم کی طرف سے دیئے ہیں اور عموماً ان میں کامیاب ہیں کہ اس اختلاف رائے میں فن کے اعتبار سے بھی حافظ دارقطنی کے مقابلے میں شیخین ہی کی رائے درست ہے۔ [2]

مولانا انور شاہ لکھتے ہیں۔ ان الدارقطنی تتبع علی البخاری فی ازید من مائة موضع ولم یستطع ان یتکلم الا فی الاسانید بالوصل والارسال غیر موضع واحد وهو اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا ؛

---

[1] الانموذج فی الاعمال الخیریہ ص ۵۰۶

[1] الریاض المستطابہ، ص ۷۹

[2] فتح المغیث، ص ۱۹ وغیرہ

فانہ تکلم فیہ بحال المتن ووجہہ ان الدار قطنی یمشی علی القواعد الممھدۃ عندھم فینازعہ من القواعد (؟) وشان البخاری ارفع من ذلک فانہ یمشی علی اجتہادہ وینظر الی خصوص المقام وشہادۃ الوجدان وان القواعد لغیر الممارس ورتبتہما اعلی من کل بعد اختلاف کثیر بینہما[1]

یعنی امام دار قطنی کے اعتراضات سب سندوں پر ہیں صرف ایک ہی متن پر تنقید ہے اور وہ متن جمعہ کے خطبہ میں نماز پڑھنے کے حکم سے تعلق رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں دار قطنی کے اعتراض قواعد مصطلحہ کی بناء پر ہیں۔ اور امام بخاری کا مجتہدانہ انداز ہے وہ اصطلاحات کے ساتھ اور بھی بہت سی ضروری چیزیں سامنے رکھتے ہیں"۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حدیث متعلق جمعہ پر استدراک بھی سند ہی سے متعلق ہے تفصیل جس کی یہ ہے کہ امام بخاری شعبۃ حدثنا عمرو قال سمعت جابر[2] اسے وہ حدیث لائے ہیں مگر عمرو سے دوسرے شاگرد (حماد، ابن عیینہ ابن جریج، ایوب، ورقاء، حبیب اس کو یوں روایت کرتے ہیں۔ ان رجلا دخل المسجد فقال لہ اصلیت قال لا قال قم فصل رکعتین[3] اسی جگہ قولی روایت کرنے میں شعبہ متفرد ہے مگر اس کے چار ساتھی قولی کے بجائے اپنے استاد سے ایک قصہ کا ذکر کرتے ہیں۔ حافظ دار قطنی کا کہنا یہ ہے کہ کثرت کو ترجیح ہونے کی وجہ سے شعبہ کی روایت امام بخاری کے معیار کی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر امام صاحب کی طرف سے جواب میں فرماتے ہیں کہ روایتیں دو ہیں۔

---

[1] مقدمہ فیض الباری، ص ۵، ایضاً ص ۳۴۳ ج ۲

[2] صحیح بخاری مع الفتح، ص ۴۱۲ ج ۱ باب ما جاء فی التطوع مثنیٰ مثنیٰ۔

[3] صحیح بخاری طبع انصاری مع الفتح ص ۵۰۲ ج ۱۔

اور عین ممکن ہے کہ عمرو نے دونوں بیان کی ہوں۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ عمرو کے ایک اور شاگرد روح بن القاسم نے بھی شعبہ کی متابعت کی ہے (لہٰذا دار قطنی کا اعتراض درست نہیں)[1]

فنی قسم کے اس اعتراض کی ایک مثال یہ بھی ہو سکتی ہے۔ دیکھئے اس اعتراض کی وجہ سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ایں خاص ذہن رکھ کر تو آدمی جو چاہے بنا سکتا ہے) صرف فنی تحقیق کے دو پہلو ہو گئے جس سے مسئلہ کی زیادہ واضح صورت سامنے آگئی۔ فللہ درھم ما اعمق علمھم وما ادق نظرھم۔

۱۴۔ احادیث صحیحین پر تنقید کو بلحاظ زمانے کے دو حصوں پر سمجھنا چاہیئے۔

(الف) دور تدوین (دوسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری کے اوائل تک)

استقراء سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں صحیحین پر تنقید بحیثیت فن حدیث ہی ہوتی رہی۔ خارجی تاثرات کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوا۔ ایسی تعمیری تنقید کا اہل حدیث نے ہمیشہ خیر مقدم کیا ہے۔ کیونکہ اس سے فن میں ترقی ہوئی، تحقیق نے جلا پائی بلکہ مسائل منقح ہوئے لیکن حدیث پاک کا اعجاز ہے کہ بحث و تمحیص کے بعد نتیجۃً سب علمائے حدیث و سنت ان دونوں مبارک کتابوں کی اصحیت پر متفق ہو گئے۔ قال النووی اتفق العلماء رحمھم اللہ تعالیٰ علی ان اصح الکتب بعد القرآن العزیز الصحیحان البخاری ومسلم وتلقتھما الامۃ بالقبول[2]

(ب) دور تدوین کے بعد سے جو تقریباً وسط پانچویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ ہمارے پر شرور رفتن دور تک دور تدوین کے بعد کی تنقیدیں دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ

---

[1] مقدمۃ الفتح، ص ۸۸ ج ۲۔

[2] مقدمہ شرح صحیح مسلم، ص ۱۳ طبع دہلی۔

عام طور پر بحیثیت تحقیق فنِ حدیث نہیں بلکہ — شعوری یا غیر شعوری طور پر — بعض واقعی یا موہومی تاثرات کے تحت ہیں۔ اور وہ بلاواسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ ہیں۔

ایسے ناقدین ایک نظریہ طے کرتے یا کسی اعتراض سے متاثر ہوتے ہیں یا کسی فرقے کی تائید ان کو کرنی ہوتی ہے۔ یا کسی ”عصری تحقیق“ سے ان پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔ پھر اگر کوئی حدیث ان کے طے کردہ طریق سے متصادم ہوتی نظر آتی ہو، گو وہ صحیحین کی کیوں نہ ہو تو وہ اس صورتِ حال سے پریشان ہو کر صحیحین کی اس حدیث کو ہدفِ تنقید بناتے اور دانستہ یا نادانستہ خالص فنی قسم کے انتقاد کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے حدیثِ پاک کی صحت کو جانچنے کے لئے محدثین نے خود اصول طے کر دیئے ہیں مگر ان اصول میں ان لوگوں کو جب گنجائش نہیں ملتی تو ہر فرقہ اور ہر ناقد اپنے حسبِ حال ایک معیارِ صحت تجویز کرتا ہے اور پھر اس کی روشنی میں صحیحین کی یقینی حدیثوں کو مطعون ٹھہرانا اپنا مشغلہ بنا لیتا ہے۔ یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ! مثلاً غالی صوفی ”کشف والہام“ کی عینک سے حدیث کو دیکھتے ہیں۔ متکلمین اپنی ”عقل“ کی کسوٹی پر رکھتے ہیں۔ معتزلہ کا معیارِ صحت اپنا ہے تو شیعہ و خوارج کا اپنا۔ جامد مقلدین ”قیاس“ اور موافقتِ امام کو معیارِ صحت گردانتے ہیں یعنی اپنی اپنی ڈفلی! اپنا اپنا راگ — یہ تو حال تھا پرانے فرقوں کا — اور نئے دور میں معاملہ اور بھی دگرگوں ہے۔ مصر، ہند و پاک کے یہ نقاد مغرب کے ملحد مستشرقین کی ”تحقیقاتِ نادرہ“ پر لٹو ہو گئے۔ سر سید احمد علی گڑھی نے ”نیچر“ درآمد کی اور اس کے مخالف ہر حدیث کے انکار کی ٹھانی۔ پرویز صاحب نے ”قوانینِ فطرت“ کا پیمانہ ٹھہرا لیا۔ اور ہر حدیث کو اس سے ماپنا شروع کر دیا۔ مرزائیوں نے مخالفتِ قرآن کے بہانے بہت سی حدیثوں سے گلوخلاصی کرا لی (حالانکہ یہ ایک مفروضہ ہے کوئی صحیحین کی حدیث قرآن حکیم کے مخالف ہو ہی نہیں سکتی)۔ لاہور کی ثقافت پارٹی ... نے خلیفہ عبدالحکیم کی قیادت میں ”ارتقاء“ کی آڑ لے کر انکارِ حدیث کے علاوہ نصوصِ قرآنی کی بھی حرمت و تحریف شروع کر دی ہے۔ جماعتِ اسلامی نے مودودی صاحب کی تقلید میں ”درایت“ اور مزاج شناسیِ رسولؐ کی درانتی صحیح بخاری کی حدیثوں پر چلا دی ہے۔ بعض لوگ مشاہداتِ سائنس و تجرباتِ طب پر ایمان لا کر بخاری و مسلم کی تحقیق کو مجروح کرتے ہیں۔ غرض

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت

جس شخص کی طبعِ نازک پر کوئی حدیث گراں گذری اپنے مزعومہ ”ریسرچ“ کے خلاف پا کر اسے مردود قرار دے دیتا ہے۔

یہ ہے ذہنی انتشار اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو صحیحین کی سب ہی حدیثیں مشکوک ٹھہرتی ہیں اور ائمہ حدیث و سنت کا اتفاق و اجماع دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ اس انتشار و اضطراب سے بچانے اور ایک ضابطہ کے تحت رکھنے کا صحیح طریق یہ ہے کہ دورِ تدوین کے بعد تنقیدِ احادیثِ صحیحین کی نہ اجازت دی جائے نہ اسے تسلیم کیا جائے۔ لسوء طویتھم و ضعف اھلیتھم کما ھو رأی بعض المحققین واما الامکان فقال علی القاری ان الامکان امر عقلی ومنعه امر عادی[1] ولقد قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا (۴: ۱۱۵)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ص ۲۴۲ ج ۱۔

درخواست دعائے صحت

الحمد للہ چند دنوں سے حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ کی طبیعت قدرے پُرسکون اور صحت نسبتاً اچھی ہے احباب حضرت مولانائے محترم کے لئے پُرخلوص دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھیں تاکہ مولانا موصوف مکمل طور پر صحت یاب ہو کر اپنے علمی سلسلوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں (ادارہ)

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری ایڈیٹر "محدث" بنارس ۔ ہند

اسلام اور عدمِ تشدُّد

میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے گاندھی جی کے ایک اصول کے تعلق سے ہنسا اور اہنسا، یا تشدُّد اور عدمِ تشدُّد کا لفظ بار بار سنتا ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ ڈکشنری میں اس لفظ کا جو معنی آتا ہے، گاندھی جی اسی معنی میں اہنسا کو مانتے تھے۔ یا ان کے یہاں اس کے کچھ اصول، ضابطے، شرطیں اور حدیں بھی تھیں۔ لیکن آج کی مجلس میں مجھے اس کی تلاش بھی نہیں۔ بلکہ مجھے ہنسا اور اہنسا کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر سے گفتگو کرنی ہے۔

البتہ اصل معاملے پر کچھ کہنے سے پہلے ایک بات واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے دینِ فطرت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر پیدائشی طور پر جو تقاضے رکھے گئے ہیں۔ اسلام نے ان سب کی رعایت کی ہے۔ یعنی انہیں کچل کر ختم نہیں کیا ہے بلکہ ان کے لئے ایسا صحیح راستہ بتایا ہے کہ انسان کی فطرت کے تقاضے بھی پورے ہو جائیں اور انسانی سماج میں اس سے کوئی برائی بھی جنم نہ لے، بلکہ انسانی سماج کو فائدہ ہی پہنچے۔

اس بات کو سامنے رکھ کر پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ تشدُّد اور عدمِ تشدُّد کے بارے میں انسان کی فطرت کیا ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ کوئی بھی انسان یہ نہیں چاہتا کہ اس کی جان ماری جائے، اس کے ہاتھ پاؤں توڑے جائیں، اُسے مارا پیٹا جائے۔ یا اس کا دھن دولت چھین لیا جائے یا اُسے بے عزت کیا جائے۔ مثلاً اسے گالی دی جائے۔ اس پر کوئی بُرا الزام لگایا جائے اور انسانی سوسائٹی میں اُسے رُسوا کیا جائے یعنی ہر انسان انے ان تین چیزوں کا بچاؤ چاہتا ہے۔

ایک یہ کہ اس کا جسم اور جان محفوظ رہے۔

دوسرے یہ کہ اس کا مال محفوظ رہے۔

اور تیسرے یہ کہ اس کی عزت محفوظ رہے۔

یہ انسان کی فطرت (نیچر) ہے۔

مگر یہ انسان کی فطرت کا صرف ایک پہلو ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کسی انسان کو جان سے مار ڈالا جائے تو اس کے باپ بیٹے اور گھرانے کے لوگ یہی چاہیں گے کہ مارنے والے سے اس کا بدلہ لے لیں۔ یہ لوگ چاہے کتنے بھی کمزور ہوں اور مارنے والے جتنے بھی طاقتور ہوں مگر جہاں تک ہو سکے گا۔ بدلہ لینے کی کوشش اور جتن کریں گے۔ اور اگر حالات سے مجبور ہو کر چپ سادھ بھی لیں تو ان کے دل میں اس کی حسرت اور کسک برابر باقی رہے گی۔ اور انہیں ذرا بھی چھیڑ دیجئے تو اپنا دکھڑا سنانا شروع کر دیں گے اور دل کی آہ زبان پر آجائے گی۔ لیکن اگر بدلہ مل جائے تو ان کے دل میں حسرت نہیں رہ جائے گی بلکہ انہیں اطمینان ہو جائے گا کہ انصاف مل گیا۔

یہی صورت اس وقت بھی ہوتی ہے جب کسی کا ہاتھ پاؤں توڑ دیا جائے یا اُسے مارا پیٹا جائے یا اس کا مال چھین لیا جائے۔ یہ مظلوم جب تک ظالم سے بدلہ نہ لے لے اسے چین نہیں ملتا۔ اور اس کی آہ نہیں جاتی۔ اسی طرح کوئی کسی کو گالی دے یا مثلاً اس کی ماں پر تہمت لگا دے یا اور کسی ذریعے سے بے عزت کر دے تو وہ اُسے آسانی سے برداشت نہیں کر سکتا۔ بلکہ جوابی کارروائی کرے گا۔ اور اگر نہ کر سکا تو کڑھ کڑھ کر رہے گا اور من ہی من میں گالیاں دے گا۔ یہ ایسی حقیقتیں ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں انسان کی فطرت یہ ہے کہ اس کا جسم و جان، مال و دولت اور عزت و آبرو محفوظ رہے وہیں انسان کی فطرت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص ان تینوں میں سے

کسی ایک چیز پر حملہ کر دے تو اس سے بدلہ لیا جائے اور اگر وہ خود بدلہ نہ لے سکے تو اس کو بدلہ دلایا جائے۔ اس لئے اگر انسانی سماج کو کوئی ایسا نظام دیا جائے جس میں انسانی فطرت کے ان دونوں پہلوؤں کی رعایت کی گئی ہو تو وہ نظام تو کامیابی سے چل سکتا ہے لیکن اگر کوئی ایسا نظام بنایا جائے جس میں ان دونوں میں سے کسی ایک بھی پہلو کو چھوڑ دیا گیا ہو تو وہ نظام فیل ہو جائے گا۔ اور کسی قیمت پر نہیں چل سکے گا۔

اس وضاحت کے بعد اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لئے اس نے انسانی فطرت کے ان دونوں پہلوؤں کی پوری پوری رعایت کی ہے۔ یعنی آپ پہلے پہلو کو لیجئے تو اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ کوئی شخص کسی کی جان یا مال یا آبرو پر حملہ کرے۔ بلکہ اسلام نے نہایت سختی سے اس کی ممانعت کی ہے اور اسے بہت ہی بڑا اور گھناؤنا جرم قرار دیا ہے۔ میں اس بارے میں اسلام کی اصل کتاب قرآن مجید اور حدیث سے دو تین حوالے پیش کر دینا چاہتا ہوں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسلام کے نزدیک ان جرائم کی حیثیت کیا ہے۔ قرآن میں پچھلے زمانے کی ایک قوم کا ذکر کرتے ہوئے ایک اصول بیان کیا گیا ہے۔

أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (سورہ مائدہ)

یعنی۔ جس نے کسی ایک جان کو بھی قتل کر دیا اور ایسا نہ کسی جان کے بدلہ لینے کے لئے کیا اور نہ زمین میں پھیلے ہوئے فساد سے نمٹنے کے لئے کیا تو اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے ایک جان کو زندہ بچا لیا تو اس نے گویا سارے انسانوں کو زندہ بچا لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی شروعات کے طور پر کسی ایک بھی آدمی کو قتل کر دے تو وہ اتنا بڑا مجرم ہے کہ گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا، کیونکہ اس نے انسان کے قتل کا دروازہ کھولا۔ یہ ہے اسلام میں انسانی جان کا احترام۔

اسی طرح اسلام میں دوسرے کا مال کھانا بھی سخت حرام ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک بار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جائداد کا مقدمہ آ گیا۔ آپ نے سمجھایا کہ دیکھو میں بھی انسان ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کے زور بیان کی وجہ سے اس کو ڈگری دے دوں۔ اور حقیقت میں مال اس کا نہ ہو تو پھر سن لو کہ میں اسے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کورٹ سے ڈگری بھی مل جائے تب بھی دوسرے کا مال کھانا اسلام کی نظر میں حرام اور نہایت ہی خطرناک جرم ہے۔ ایسا آدمی اس دنیا میں اگر بچ بھی جائے تو اُس دنیا میں نہیں بچ سکتا۔

اب آدمی کی عزت و آبرو کا معاملہ لیجئے۔ اسلام میں اس کی کتنی اہمیت ہے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک بار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چند آدمیوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ پیچھے دو آدمیوں نے آپس میں باتیں کرتے کرتے ایک آدمی کو جو ایک سزا میں مارا گیا تھا، کتا کہہ دیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں یہ آواز پڑ گئی۔ آپ تھوڑی دور گئے تو دیکھا کہ ایک گدھا مرا پڑا ہے اور اتنا پھول گیا ہے کہ ٹانگیں تن گئی ہیں، آپ رک گئے۔ اور ان دونوں سے کہا کہ جاؤ اس گدھے کا گوشت کھاؤ۔ وہ دونوں ہکا بکا رہ گئے کہ آخر ہم سے کیا جرم ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ابھی تم دونوں نے ایک آدمی کو جو کتا کہا تو وہ اس سڑے ہوئے گدھے کی لاش کھانے سے بھی زیادہ برا تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کسی کی عزت پر بٹہ لگانا اسلام میں کتنا بڑا جرم ہے۔

اب تک کی گفتگو اس پہلو سے تھی کہ اسلام میں کسی کی جان، مال، آبرو پر حملہ کرنے کی قطعاً اجازت اور گنجائش نہیں لیکن اگر کوئی آدمی اس ممانعت کے باوجود کسی کی جان یا مال، یا آبرو پر حملہ کر بیٹھے تو اسلامی حکم یہ ہے کہ حملہ آور کو ایسی سزا دی جائے کہ مظلوم کو پورا پورا بدلہ مل جائے، لیکن حملہ کرنے والے

پر عمل ہی نہ ہو۔ یعنی اس نے جتنا بڑا جرم کیا ہے اس سے بڑی سزا نہ دی جائے۔ اس بارے میں یہ بھی طے کر دیا گیا ہے کہ عدالت اور کورٹ کو یا ملک کے سربراہ کو مثلاً صدر، راشٹرپتی، راجا، بادشاہ، گورنر جنرل وغیرہ کو اس بات کا کوئی اختیار نہ ہوگا کہ ایسے مجرم کی سزا معاف کر دیں یا کم کر دیں بلکہ یہ اختیار صرف ان لوگوں کو ہوگا جن پر حملہ اور ظلم کیا گیا ہو۔

بے جا نہ ہوگا کہ اس موقع پر یہ بھی بتاتا چلوں کہ ان جرائم کی اسلامی سزا کیا ہے؟ سزا یہ ہے کہ قاتل نے اگر جان بوجھ کر قتل کیا ہے تو اُسے بھی قتل کر دیا جائے اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو اُس پر بھاری مالی تاوان لگایا جائے اور تاوان مقتول کے گھر والوں کو دیا جائے۔ اگر کسی نے کسی پر حملہ کیا ہے تو حملہ آور نے جیسی چوٹ لگائی ہے اُسے بھی ویسی ہی چوٹ لگائی جائے یا چوٹ کی نوعیت کے لحاظ سے کڑا مالی تاوان لگایا جائے۔ کسی نے کسی کا مال چوری کیا ہے تو کچھ خاص شرطیں پوری ہونے کی صورت میں چور کا ہاتھ کاٹ لیا جائے۔ ورنہ جج اپنی صوابدید سے مناسب سزا دے، اور مال برآمد ہو جائے تو اسے اصل مالک کے حوالے کر دیا جائے۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی کی عزت پر بٹہ لگایا ہے تو ملزم کی حالت کا اندازہ کر کے جج کوئی ایسی سزا دے کہ ملزم آئندہ ایسی حرکت نہ کرے۔

ہاں اگر کوئی شخص کسی بدمعاش یا ڈکیت سے اپنی جان یا مال یا آبرو کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے تو وہ مظلوم ہے، لیکن اگر وہ خود حملہ آور کو مار ڈالے تو ظالم نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ دونوں کے متعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک ارشاد سناتا ہوں۔ ایک بار آپ نے فرمایا۔ جو اپنی جان بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ اور جو اپنی آبرو بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۳۰۵)

اور ایک بار ایک آدمی نے آکر سوال کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! یہ بتلایئے کہ اگر کوئی آدمی آکر میرا مال چھیننے لگے تو ... ؟ آپ نے فرمایا: اسے اپنا مال نہ دو۔ اس نے کہا اگر وہ مجھ سے لڑائی کر بیٹھے تو؟ آپ نے فرمایا تم بھی اس سے لڑ جاؤ۔ اس نے کہا اگر وہ مجھے قتل کر دے تو؟ آپ نے فرمایا: تم شہید ہو گئے۔ اس نے کہا اگر میں اُسے قتل کر دوں تو؟ آپ نے فرمایا وہ جہنم میں جائے گا۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ، ص ۳۰۵)

ان دونوں کا حاصل یہ ہے کہ اپنا بچاؤ کرنا ہر شخص کا حق ہے، اگر بچاؤ کرنے والا خود مارا گیا تو مظلوم ہے اور حملہ آور سے اس کا بدلہ لیا جائے گا، لیکن اگر حملہ آور مارا گیا تو وہ ظالم تھا۔ اس لئے اس کا خون رائیگاں جائے گا اور بدلہ نہیں لیا جائے گا۔

یہاں اسلامی قانون کے ایک ایک ٹکڑے کی تفصیل بتانے کی گنجائش نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے دائرے میں کوئی بھی آدمی مظلوم مارا جائے تو اس کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ اگر کسی بھی طرح قاتل کا پتہ نہ چل سکا تو مقررہ مالی تاوان حکومت کے خزانے سے دیا جائے گا۔

اب تک کی گزارشات کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام تشدد شروع کرنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن جو تشدد کرے۔ اسے آزاد بھی نہیں چھوڑتا اور نہ معمولی سزائیں دے کر اس کی ہمت کو بڑھاوا ملنے کا موقع دیتا ہے بلکہ جیسا جرم ہے ٹھیک اسی کے مطابق سزا دیتا ہے۔ اور اس طرح تشدد کی جڑ کاٹتا رہتا ہے۔ دراصل پوری انسانی تاریخ کا تجربہ ہے کہ انسانی سماج سے اس طرح کے جرائم کبھی بھی ایک دم ختم نہیں ہو جاتے، مجرم انسان ہمیشہ پائے گئے ہیں اور ہمیشہ پائے جائیں گے، اس لئے اس کا علاج صرف یہی ہے کہ سزا اتنی کڑی دی جائے کہ ایسے جرائم کم سے کم ہو کر نہیں کے برابر رہ جائیں۔

کڑی سزا کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اور نرم سزا کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس کا پتہ مختلف ملکوں میں ہونے والے جرائم کے اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے۔ امریکہ اپنے آپ کو انسانی حقوق کا علمبردار و پاسبان اور تہذیب و تمدن کا لیڈر کہتا ہے مگر وہاں کے جرائم کے متعلق سات سال پہلے کی رپورٹ یہ ہے کہ :-

امریکہ میں ہر ۲۴ منٹ میں ایک قتل، ہر ۱۹ منٹ میں ایک عورت کا جبری اغوا، ہر دو منٹ میں ایک چوری۔ ہر بیس سیکنڈ میں گھر پر حملہ، ہر ۴۸ سیکنڈ میں بس یا کار پر حملہ، اور ہر بیس سیکنڈ میں ایک ڈاکہ کا کیس پیش آتا ہے۔

یہ سات سال پہلے کی رپورٹ ہے، اب ان جرائم میں کچھ اور اضافہ ہوا ہے۔ اس کے برعکس سعودی عرب کو دیکھئے جہاں اسلامی سزائیں نافذ ہیں جنہیں موجودہ علمبرداران تہذیب کڑی ہی نہیں وحشیانہ بھی کہتے ہیں۔ ان سزاؤں کے نفاذ کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں سال کے سال گزر جاتے ہیں، اور قتل اور چوری ڈاکے وغیرہ کی شاید باید ہی کوئی واردات ہوتی ہے اور وہ بھی عموماً باہری لوگوں کے ہاتھوں۔

آئیے ذرا اس معاملے کا جائزہ اس پہلو سے بھی لیں کہ امریکہ کے دوراندیش شہری اپنے یہاں کی مذکورہ صورتِ حال کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں اور ان کے نقطۂ نظر سے اس کا علاج کیا ہے؟۔ چند سال پہلے کی بات ہے کہ پاکستان میں کچھ اخلاقی مجرموں کو مجمع عام میں کوڑوں کی سزا دی گئی۔ اس پر نیویارک ٹائمز نے استہزاء اور تمسخر کا انداز اختیار کیا اور اس موضوع پر اپنے یہاں مراسلات کا ایک کالم کھول دیا۔ اس کالم میں شکاگو کی رہنے والی ایک امریکن خاتون۔ ایلا ورشراٹز کا بھی ایک خط چھپا، وہ لکھتی ہیں۔

"اسلام کے عدل و انصاف کے نام پر یہی میرا خیال ہے کہ ہمیں بھی اس قسم کی سزا کو رائج کرنا چاہیئے جو فوری اور سنگین طور پر مجرموں کی گوشمالی کر سکے۔ اگر ہمارے یہاں اس قسم کا نظام رائج ہو تو ہم بھی آبرو ریزی، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے خوف سے بے نیاز ہو کر کوچہ و بازار میں چل پھر سکیں اور ممکن ہے ہمارے جیل خانے مجرموں سے اتنا نہ بھریں جتنا آج کل بھرے ہوتے ہیں۔" (سیاست جدید کانپور ۱۲ دسمبر ۱۹۷۹ء)

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ آج کل کا ہے۔ کویت کی ایک خاتون جن کا نام ام المثنیٰ ہے۔ کچھ دنوں امریکہ میں رہیں۔ ان کا ایک تازہ بیان کویت کے ایک مشہور ہفت روزہ رسالہ المجتمع نے ۱۷ جولائی ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں شائع کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں۔

"امریکہ میں اپنے قیام کے دوران کچھ دنوں کے لئے میں ایک ہسپتال میں بھرتی ہوئی۔ وہاں ایک امریکن نرس سے میرا میل جول بڑھ گیا، چونکہ میں پابندی سے اسلامی چادر اوڑھتی تھی، اس لئے وہ مجھ سے بار بار میرے ملک اور میرے مذہب کے بارے میں پوچھتی رہتی تھی۔ ایک دن اس نے مجھ سے اسلامی سزاؤں کے بارے میں پوچھا کہ یہ سزائیں کیا ہیں؟ میں نے کہا قاتل کو قتل کر دیا جائے، چور کا ہاتھ کاٹ لیا جائے، حرامکاری کرنے والے کو پتھر مار کر ختم کر دیا جائے یا کوڑے مارے جائیں۔۔ اور۔۔۔۔ یہ سن کر اس نے بڑی حیرت اور خوشی ظاہر کی۔ کہنے لگی میری آرزو ہے کہ میرے ملک میں بھی اسلامی شریعت لاگو کی جائے۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ آیا آپ کے ملک میں یہ سزائیں دی جاتی ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ بعض لوگ انہیں موجودہ زمانہ کے لائق نہیں سمجھتے اور خلافِ تہذیب سمجھتے ہیں۔

پھر میں نے اس سے کہا: مجھے تعجب ہے کہ تم اسلامی شریعت کو لاگو کرنے کے بارے میں اتنی گرم جوش کیوں ہو۔ جب کہ خود میرے ملک کے بعض لوگ اس پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ جو شخص اتنی بہترین سزاؤں کو نشانہ بناتا ہے وہ غلطی کرتا ہے۔ ہم لوگ اپنے ملک میں قتل، چوری، ڈکیتی اغوا وغیرہ کے روزمرہ بے انتہا جرائم کی وجہ سے امن و امان کی بربادی اور لاقانونیت کی کڑی سزا جھیل رہے ہیں۔ اور ان جرائم کی وجہ صرف ایک ہی ہے کہ کافی ثبوت مہیا ہو جانے کے بعد بھی مجرموں کو کوئی ایسی کڑی سزا نہیں دی جاتی کہ وہ آئندہ جرم کرنے کی ہمت نہ کریں۔

اس کے بعد اس نرس نے بتایا کہ اس کا شوہر پولیس میں ہے اور اس معاملے کی وجہ سے سخت مشکل سے دوچار رہتا

ہے۔ کیونکہ مجرم کو پکڑنے کے لئے پولیس یونٹ جس قدر محنت و
مشقت کرتی ہے ان سب پر اس وقت پانی پھر جاتا ہے جب
جج اس کو بے گناہ قرار دے دیتا ہے یا معمولی سزا دے کر چھوڑ
دیتا ہے۔ اس سے مجرموں کی ہمت اور بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ
نئے سرے سے جرم کر کے شہریوں کا امن و امان تہ و بالا کرتے
رہتے ہیں۔

یہ باتیں کہتے کہتے وہ نرس اداس ہو گئی اور رخصت ہونے
سے پہلے بولی: تمہارے ملک کے جو لوگ ان سزاؤں کو لاگو کرنے
کی مخالفت کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، انہیں چاہیئے کہ ہمارے
ملک کی جو درگت بن چکی ہے اس سے سبق سیکھیں اور اپنے ملک
میں اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی ان سزاؤں کو لاگو کروا دیں۔

دور کیوں جائیے ــــــ باغپت (ضلع میرٹھ) میں
جو حادثہ پیش آیا تھا کہ پولیس نے ایک عورت کو ننگا کر کے گھمایا
تھا اور اس پر سخت ہیجان پھیل گیا تھا۔ اس کے بعد اچھے اچھے
ماہرین قانون نے یہ رائے دی تھی کہ عورتوں کے ساتھ اس طرح
کا معاملہ کرنے والوں کو پھانسی کی سزا دی جائے اور اس طرح
کے کیس بند کمرے میں سنے جائیں اور عورتوں سے بیان لینے والی
جج عورتیں ہوں۔

سسوا بازار (ضلع گورکھپور) اسی طرح دیوریا اور بستی
ضلع کے بعض بعض دیہاتوں میں پولیس نے جس بے دردی سے
عورتوں کی آبرو لوٹی، بیلچھی اور دوسری جگہوں پر جس سنگدلی
کے ساتھ ہریجنوں کو اور جبل پور بھیونڈی وغیرہ میں مسلمانوں کو
آگ کے اندر زندہ جلایا گیا، مجھے یقین ہے کہ اگر
ملک میں انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے مجرموں کو
کڑی سزائیں دی جاتیں تو بڑے سے بڑا سورما بھی مجبوروں
اور نہتوں پر اس طرح کا ظلم کرنے کی ہمت نہ کرتا۔ کڑی سزاؤں
سے صرف بڑے بڑے جرائم ہی بند نہیں ہوتے بلکہ چھوٹے
چھوٹے جرائم بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ سعودی عرب میں جس کا ذکر
پیچھے آچکا ہے، میں نے خود دیکھا کہ دکان کے نمونہ کا سامان
رات بھر سڑک کے کنارے دکان کے باہر لٹکتا رہتا ہے۔
مگر کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ دوکان کھلی
چھوڑ کر لوگ نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں، مگر ایک معمولی سا سامان
بھی غائب نہیں ہوتا۔ دنیا بھر کی کرنسیاں بدلنے والوں کی
دوکان کے پھاٹکوں پر ہر طرف نوٹوں کی گڈیاں اس طرح لگی
رہتی ہیں کہ ہمارے یہاں پان کی دوکان والے بھی اس سے زیادہ
احتیاط سے رہتے ہیں مگر اس کے باوجود ایک نوٹ بھی غائب
نہیں ہوتا۔ لوگ بینکوں سے لاکھوں لاکھ کے نوٹوں کی گڈیاں
اس طرح مٹھی میں لے کر چلتے ہیں جیسے مولی ترکاری لے جا رہے
ہوں، مگر مجال نہیں کہ کوئی بری نیت سے تاک دے۔ عورتیں
دن یا رات میں کسی بھی وقت کہیں بھی جا رہی ہوں انہیں کوئی
خطرہ نہیں۔

ہمارے سامنے پڑوس کے ملک پاکستان کی تازہ مثالیں
موجود ہیں۔ جنرل ضیاء الحق نے جب پہلی بار اعلان کیا کہ اب
پاکستان میں اسلامی سزا لاگو ہوگی اور چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ تو
اس کے ایک مہینے کے بعد قومی آواز لکھنؤ میں میں نے ایک
چھوٹی سی خبر پڑھی کہ پہلے شہر کراچی میں ہر رات، ۲ چوریاں
ہوتی تھیں جن میں سے اکثر چوریاں بہت بڑی ہوا کرتی تھیں۔
مگر جنرل ضیاء کے مذکورہ اعلان کے بعد ۲۷ روز میں صرف
۷ چوریاں ہوئیں اور وہ بھی بہت معمولی قسم کی۔

اسی طرح جنرل ضیاء کی فوجی حکومت کے شروع دنوں
کی بات ہے۔ تین بدمعاشوں نے مل کر سات آٹھ سال کے
ایک بچے کو اغوا کیا اور اس کے باپ کو فون پر نوٹس دیا کہ فلاں
دن فلاں جگہ غالباً چالیس ہزار روپے پہنچا دو ورنہ بچے کو
قتل کر دیا جائے گا، بیٹا بیٹا ہی ہوتا ہے، اس کے سامنے
روپے پیسے دھن دولت کی کیا حیثیت؟ باپ نے روپے
بھجوا دیئے مگر کوئی لینے نہ آیا۔ اور پھر بچے کی لاش پائی گئی۔ خفیہ
پولیس مجرموں کی تلاش میں تھی ہی، آخر تینوں پکڑے گئے۔ عدالت
سے پھانسی کا فیصلہ ہوا، اور تینوں کو لاہور کے ایک چوراہے پر

پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا گیا اور لوگوں کے دیکھنے کے لیے
دیر تک لٹکتا چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد یہ حال ہوا کہ جیسے دوسرے
بدمعاشوں کی ہمت ہی جواب دے گئی ہو۔

اس طرح کی مثالیں تو بہت سی ہیں، مگر ہم مثالوں کے
بجائے نتائج کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ نتائج یہ ہیں کہ
کڑی سزا دیجئے تو جرائم گھٹ کر نہیں کے برابر رہ جاتے ہیں۔
اور سزا نرم کر دیجئے تو لاکھوں اور کروڑوں تک جا پہنچتے ہیں۔
امریکہ میں جرائم کے جو اعداد و شمار بتائے گئے ذرا ان کا سالانہ
حساب جوڑیئے تو معلوم ہوگا کہ وہاں سال بھر میں ۲۰۲۲۲ لاکھ
آدمی مارے جاتے ہیں۔ ۲۷،۳۹۸ عورتیں زبردستی اٹھالی
جاتی ہیں، ...... ۶،۴۲،۸۰۰ چوریاں ہوتی ہیں۔
۸،۶۶،۸۰۰،۱۵ ڈاکے پڑتے ہیں اور گھروں، کاروں، بسوں پر
۲،۶۵،۲۳ حملے ہوتے ہیں یعنی مجموعی طور پر سال بھر میں
۴،۴۴،۶۴ حادثے ہوتے ہیں۔ اور یہ کھلی بات ہے کہ اسی
سبب سے خونی، ڈاکو، چور اور مجرم بھی تیار ہوتے ہیں۔

اب سوچیے کہ تشدد کو روکنے اور پبلک کو سکھ چین
دلانے کے لئے یہ نظام اچھا ہے یا سعودی عرب جیسا وہ
نظام جس کے نتیجے میں قاتل مقتول دونوں کو ملا کر مشکل سے
چار جانیں جاتی ہیں اور مشکل سے چوری وغیرہ کے دس پانچ
واقعے ہوتے ہیں اور خونی، ڈکیت، چور وغیرہ تیار ہی نہیں
ہونے پاتے بلکہ فوراً ہی ان کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

اگر دنیا کو تشدد سے بچنا ہے تو اس پہلو پر کھلے دل سے
سوچنا پڑے گا۔ (محمد نعیم بنارس ستمبر ۸۴ء)

ایک دو سال پہلے کی رپورٹ میں سالانہ قتل کی واردات
۲ لاکھ بتائی گئی ہے۔

بقیہ: اسلامی نظام عدل کی برتری

قتل ہوا ہے اور وہ مجرم کو صرف چند سال کی قید ملتی دیکھتا
ہے تو ممکن نہیں کہ وہ اس قسم کے نظام عدل پر اعتراض
کرے۔ اگر اس قسم کی سزائیں جرائم کا انسداد نہیں کرتیں، تو
سعودی عرب میں ایسے گھناؤنے جرائم کیوں کمیاب ہیں؟"
(نوائے وقت ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء)

ضروری اعلان

۱۔ خبریں اور اعلانات مختصر بھیجیں۔
۲۔ تبلیغی روداد یں اور دیگر غیر ضروری تفصیلات
شائع نہیں ہوں گی (۳) مضامین صاف اور خوش خط لکھیں۔
(۴) آیات و احادیث کے حوالے مکمل درج کریں۔

(ادارہ "الاعتصام")

مصالحتی عدالتیں

صاف ستھرا معاشرہ صرف حفظانِ صحت کے اصولوں پر ہی عمل پیرا نہیں ہوتا بلکہ لڑائی جھگڑوں، چوری چکاری اور دیگر برائیوں سے بھی پاک ہوتا ہے۔ ایسے معاشرے کے قیام کے لئے آدابِ شہریت کے ساتھ ساتھ ارزاں اور فوری انصاف بھی درکار ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لئے حکومت نے مصالحتی عدالتیں قائم کر دی ہیں۔ ہر چیئرمین یونین کونسل دیہی علاقے میں اور ہر میونسپل کونسلر شہری علاقے میں مصالحتی عدالتی اختیارات کا حامل ہے۔ مصالحتی عدالت فریقین کے دو دو نمائندے نامزد ہونے کے بعد معرضِ وجود میں آتی ہے۔ اس لئے اس کے فیصلے پر کسی بھی فریق کو کسی قسم کا گلہ یا شکوہ نہیں ہوتا درج ذیل فوجداری اور دیوانی مقدمات کے لئے مصالحتی عدالتوں سے رجوع کیجئے اور اپنا قیمتی وقت اور سرمایہ بچایئے۔

لازمی مقدمات

فوجداری (جن کی سماعت صرف مصالحتی عدالتیں کر سکتی ہیں)

۱۔ مجمع خلافِ قانون (دفعہ ۱۴۳ ت پ) جبکہ ایسے غیر قانونی اجتماع کا مقصد بلوہ ہو (دفعہ ۱۴۷ ت پ) جبکہ افراد کی تعداد دس سے زیادہ نہ ہو۔ (دفعہ ۱۔ جدول حصہ اول فوجداری مقدمات مصالحتی آرڈی ننس ۱۹۶۱ء) جب کہ ایسے مجمع خلافِ قانون کا ارادہ، بالارادہ ضرر پہنچانا (دفعہ ۳۲۳ ت پ) نقصان رسانی کا مرتکب ہونا (دفعہ ۴۲۶ ت پ) اور مداخلت بے جا مجرمانہ کرنا (دفعہ ۴۴۷ ت پ)

۲۔ ہنگامہ (دفعہ ۱۶۰ ت پ) ● بالارادہ ضرر پہنچانا (دفعہ ۳۲۳ ت پ) ● بحالت اشتعال طبع بالارادہ ضرر پہنچانا (دفعہ ۳۳۴ ت پ) ● مزاحمت بے جا (دفعہ ۳۴۱ ت پ) ● حبس بے جا (دفعہ ۳۴۲ ت پ) ● حملہ یا جبر مجرمانہ سوائے بحالتِ اشتعال (دفعہ ۳۵۲ ت پ) ● حملہ یا جبر مجرمانہ بحالت اشتعال طبع (دفعہ ۳۵۸ ت پ) ● نقصان رسانی کا مرتکب ہونا (دفعہ ۴۲۶ ت پ) ● مداخلت بے جا مجرمانہ (دفعہ ۴۴۷ ت پ) ● توہین اس ارادہ سے کہ جس شخص کی توہین کی جائے اشتعالِ طبع کی وجہ سے امن خلائق میں خلل ڈالے گا (دفعہ ۵۰۴ ت پ) ● تخویفِ مجرمانہ (دفعہ ۵۰۶ ت پ حصہ اول) کسی شخص کو یہ یقین دلانا کہ اس پر قہرِ الٰہی نازل ہو گا (دفعہ ۵۰۸ ت پ) ● الفاظ یا اشارہ یا فعل سے کسی عورت کی توہین کرنا (دفعہ ۵۰۹ ت پ)

۳۔ بددیانتی سے مال کا تصرف بے جا کرنا (دفعہ ۴۰۳ ت پ) ● خیانتِ مجرمانہ کرنا (دفعہ ۴۰۶ ت پ) ● دغا کرنا (دفعہ ۴۱۷ ت پ) فریب سے کسی دوسرے شخص سے مال لینا یا کسی اور شخص کے حوالے کرنا (دفعہ ۴۲۰ ت پ) جب کہ ایسے مقدمات میں مالیت تین ہزار سے زائد نہ ہو (مالیت میں اضافہ بمطابق حالیہ ترمیم دفعہ ۳ جدول حصہ اول مصالحتی عدالتی آرڈی ننس ۱۹۶۱ء)

۴۔ نقصان رسانی جب کہ رقم کی مالیت تین ہزار روپے سے زائد نہ ہو۔ (مالیت میں اضافہ بمطابق حالیہ ترمیم دفعہ ۴ جدول حصہ اول مصالحتی عدالتی آرڈیننس)

۵۔ کسی جانور کو مارنا یا زخمی کرنا (دفعہ ۴۲۸۔۴۲۹ ت پ) جبکہ جانور کی قیمت تین ہزار روپے سے زائد نہ ہو (مالیت میں اضافہ بمطابق حالیہ ترمیم دفعہ ۵ جدول حصہ اول مصالحتی عدالتی آرڈیننس ۱۹۶۱ء)

دیوانی مقدمات

۱۔ معاہدوں اور رسیدوں یا دیگر دستاویزات کی بنا پر واجب الادا رقم کی وصولی کے لئے نالش۔

۲۔ منقولہ جائداد یا اس کی مالیت کی وصولی کے لئے نالش۔

۳۔ منقولہ جائداد کو ناجائز طور پر لینے یا نقصان پہنچانے کے

معاوضہ کے لئے نالش۔

۴۔ مداخلت بے جا سے مولیشیوں کے نقصان پر نالش۔

● یونین کونسلوں کی صورت میں جب مطالبہ کردہ رقم یا منقولہ جائیداد کی قیمت پانچ ہزار روپے سے تجاوز نہ کرے۔

● ٹاؤن کمیٹی میونسپل کارپوریشن ۔ میونسپل کمیٹی دارالحکومت ی کارپوریشن اور کنٹونمنٹ بورڈ کی صورت میں جب مطالبہ کردہ قم یا منقولہ جائیداد کی قیمت دس ہزار روپے سے تجاوز نہ کرے۔

اختیاری مقدمات

وجداری (جو فریقین کی باہمی رضامندی سے مصالحتی عدالتوں میں پیش ہو سکتے ہیں)

۱:۔ ● خطرناک ہتھیار یا وسائل کے ذریعہ سے ارادتاً نقصان نا (دفعہ ۳۲۴ ت پ) ● تین دن یا زیادہ حبس بے جا میں (دفعہ ۳۴۴ ت پ) ● حملہ یا جبر مجرمانہ کسی شخص کو بے عزت ں کی غرض سے ماسوائے بحالت اشتعال طبع (دفعہ ۳۵۵ ت پ) ہ یا جبر مجرمانہ بحالت اقدام حبس بے جا (دفعہ ۳۵۷ ت پ) قصان رسانی جب کہ مالیت پچاس روپے یا اس سے زائد ہو۔

عہ ۴۲۷ ت پ) ● ایسے پانی کو نقصان پہنچانا جو زراعت یا ز مصرف میں آتا ہو (دفعہ ۴۳۰ ت پ) ● مداخلت بے جا ۔ (دفعہ ۴۴۸ ت پ) ● بددیانتی سے کوئی ظرف جس میں مال ا ہو توڑ کر کھول ڈالنا (دفعہ ۴۶۱ ت پ) ● ازالہ حیثیت عرفی ۵۰۰ ت پ) ● ایسا مضمون چھاپنا یا کندہ کرنا جس سے ۵ مزیل حیثیت عرفی ہو (دفعہ ۵۰۱ ت پ)

:۔ سرقہ (دفعہ ۳۷۹ ت پ) جب کہ چوری کی مالیت ت سو روپے سے زائد نہ ہو۔

۔ کسی مکان یا خیمہ وغیرہ میں سرقہ (دفعہ ۳۸۰ ت پ) رقہ منجانب ملازم (دفعہ ۳۸۱ ت پ) جب کہ مالیت سو روپے سے زائد نہ ہو۔

۴:۔ بددیانتی سے مال کا تصرف بے جا کرنا (دفعہ ۴۰۳ ت پ) خیانت مجرمانہ کرنا (دفعہ ۴۰۶ ت پ) ● دغا کرنا (دفعہ ۴۱۷ ت پ) ● فریب سے کسی دوسرے سے مال لینا اور کسی اور کے حوالے کرنا (دفعہ ۴۲۰ ت پ) جبکہ ایسے مقدمات میں مالیت چار ہزار روپے سے زائد نہ ہو (مالیت میں اضافہ بمطابق حالیہ ترمیم دفعہ ۴ جدول حصہ دوم فوجداری مقدمات مصالحتی عدالتی آرڈیننس ۱۹۶۱ء)

۵۔ خیانت مجرمانہ ملازم (دفعہ ۴۰۸ ت پ) جب کہ مالیت ایک سو روپے سے زائد نہ ہو (ترمیم پیرا ۵ جدول حصہ دوم مصالحتی عدالتی آرڈیننس ۱۹۶۱ء)

۶:۔ مال مسروقہ بددیانتی سے لینا یا رکھنا (دفعہ ۴۱۱ ت پ) جب کہ مالیت سات سو روپے سے زائد نہ ہو (ترمیم پیرا ۶ جدول حصہ دوم مصالحتی عدالتی آرڈیننس ۱۹۶۱ء)

۷:۔ کسی جانور کو مارنا یا زخمی کرنا (دفعہ ۴۲۸-۴۲۹ ت پ) جب کہ جانور کی مالیت پانچ ہزار روپے سے زائد نہ ہو (ترمیم پیرا ۷ جدول حصہ دوم مصالحتی عدالتی آرڈیننس ۱۹۶۱ء)

دیوانی مقدمات

تمام دیوانی مقدمات (ماسوائے ان دیوانی مقدمات کے جن کی لازمی سماعت مصالحتی عدالت کر سکتی ہے) جب کہ مطالبہ کی مالیت پچیس ہزار روپے سے زائد نہ ہو۔ (نوائے وقت ۹ اکتوبر ۸۲ء)

تبصرہ کتب

علیم ناصری

کیا فقہ حنفی اسلام کی کامل اور صحیح تعبیر ہے۔؟

مؤلف :۔ مولانا محمد اسماعیل السلفی رحمہ اللہ

ضخامت :۔ چھوٹا کتابی سائز ۔ ۴۸ صفحات

رنگین آرٹ پیپر ٹائٹل ● قیمت ۳ روپے

ناشر :۔ مکتبہ نذیریہ ۔ چناب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن ۔ لاہور

۱۹۶۴ء میں ماہنامہ "بینات" کراچی میں مدیر بینات کے ایک اداریے میں یہ آواز اٹھائی گئی تھی کہ پاکستان میں فقہ حنفی کو نافذ کیا جائے ۔ اور تمام مسائل و معاملات اس کی روشنی میں حل کئے جائیں ۔ کیونکہ اس ملک کی "غالب اکثریت" فقہ حنفی کی پیروکار ہے ۔ اس پر مولانا محمد اسماعیل السلفی رحمہ اللہ نے ایک زبردست مقالہ بعنوان بالا تحریر فرمایا تھا ۔ جو اس وقت الاعتصام (ستمبر اکتوبر سنہ ۶۴ء) میں شائع ہوا تھا ۔ اس مقالے کو مکتبہ نذیریہ لاہور نے کتابی صورت میں شائع کیا ہے ۔ چونکہ اس وقت فقہ حنفی کے نفاذ کا مطالبہ پھر پیروکارانِ فقہ حنفی (دیوبندی اور بریلوی) حلقوں سے اُٹھ رہا ہے اس لئے اس اہم مضمون کی کتابی صورت میں اشاعت وقت کی ایک اہم ضرورت ہے ۔

اسلام میں فقہ حنفی ہی حرفِ آخر نہیں ہے مگر ہمارے دوست اپنی "غالب اکثریت" کے زعم میں یہ نعرہ لگانے میں خاصے خوش فہم واقع ہوئے ہیں ۔ کتاب ہذا میں ان کی اکثریت کی بھی قلعی کھول دی گئی ہے ۔ اور فقہ حنفی کے "مکمل اسلام" ہونے کے دعوے کی بھی مدلل تردید کر دی گئی ہے ۔ ہمیں اُمید ہے کہ اس کتاب سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی ۔ مکتبہ نذیریہ اس کتاب کی اشاعت پر تحسین کا مستحق ہے ۔ مبلغین ، واعظین اور اہلِ علم کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہو گا ۔ اہل حدیث مدارس اور جمعیتوں کو یہ کتاب منگوا کر طلباء اور دیگر پڑھے لکھے لوگوں تک پہنچانی چاہیئے بلکہ وفاقی شوریٰ و کونسل کے ممبران کو بھی اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں صحیح صورتِ حال کی طرف راہنمائی حاصل ہو ۔

اصحاب صفہؓ

مصنف :۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

ترجمہ (مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی)

ضخامت : چھوٹا کتابی سائز : ۵۲ صفحات ۔ رنگین آرٹ پیپر ٹائٹل کتابت اور طباعت دیدہ زیب ۔ قیمت ۹ روپے ۔

ناشر : مکتبہ نذیریہ ۔ چناب بلاک اقبال ٹاؤن ۔ لاہور ۔ ۱۸

مکتبہ نذیریہ کے مالک و مدیر مولانا محمد حنیف یزدانی ایک صاحب دل سلفی العقیدہ عالم ہیں ۔ تبلیغ مسلک اور اشاعت اسلام کا جذبہ وافر رکھتے ہیں ۔ وہ ایک ناشرِ کتب ہونے کے ناطے سے ہر قسم کی کتابیں شائع کرنے کا حق رکھتے ہیں جن سے مالی منفعت حاصل ہوتی ہو مگر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عموماً ایسی کتب کی اشاعت میں مصروف ہیں جو مسلک اہل حدیث کی حقانیت واضح کرنے والی ہوں ۔ ان کا یہ جذبہ صادق اب تک کتاب و سنت کی تبلیغ و تشہیر کی نہایت مؤثر کارکردگی کا باعث ہوا ہے ۔ انہوں نے اب تک جن کتابوں کی اشاعت کی ہے ان میں حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ، مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی رحمہ اللہ ، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ ، مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ ۔ اور دیگر بلند پایہ علماء و صلحاء کی کتابیں اور خود اپنی تصانیف و تالیفات بھی مسلکی مسائل پر تصنیف فرما کر مکتبہ نذیریہ کے زیر اہتمام شائع کی ہیں ۔

زیر نظر کتاب حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف سے ایک استفتاء کا جواب ہے ۔ جس میں اصحاب صفہؓ کے سلسلے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا مدلل اور مسکت ازالہ کیا گیا ہے مبتدعین اور ضالین کی طرف سے اصحابِ صفہؓ کے متعلق قلندریت اور دیوتائیت جیسے گمراہ کن نظریات کو تاریخ اسلام اور شریعت کے اصول و ضوابط کے تحت حل کیا گیا ہے ۔ اس کتاب میں

اصحاب صفہ کے عقیدہ و کردار پر روافض و مشرکین کی طرف سے جو گرد و غبار پھینکا گیا تھا۔ شیخ الاسلامؒ نے اس کتاب کو سنت کے آبِ زلال سے صاف کر دیا ہے۔ مکتبہ نذیریہ نے اس کتاب کی اشاعت سے دین کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ جس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ہمیں اُمید ہے یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔ یہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے جو اس کی مانگ کا بین ثبوت ہے۔

مضامینِ مجیب (حصہ اوّل)

مصنف: ڈاکٹر محمد مجیب الرحمٰن ایم اے پی ایچ ڈی۔

۱۶۸ صفحات (چھوٹا سائز) سادہ ٹائیٹل۔ قیمت ۵ روپے

ناشر: انصار السنہ ۲۳ بولائی دت اسٹریٹ کلکتہ ۷۰۰۰۰۳ بھارت

ڈاکٹر محمد مجیب الرحمٰن راجشاہی یونیورسٹی بنگلہ دیش میں پروفیسر ہیں۔ وہ ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں اور برصغیر کے ممتاز سلفی عالم اور بزرگ مولانا محمد جونا گڑھیؒ کے داماد ہیں۔ اس ناطے وہ مولانا معین الدین لکھوی مدظلہٗ کے ہم زلف ہیں۔ پروفیسر صاحب موصوف بنگلہ زبان کی بیشتر دینی اور علمی کتب کے مصنف اور اُردو زبان کے منجھے ہوئے انشاء پرداز ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ان کے اُردو مضامین کا حصہ اوّل ہے جسے ان کے برادر نسبتی محترم ابو اسماعیل محمد سلیم میمن بن مولانا محمد جونا گڑھی رح بنگش دہلی (بھارت) نے مرتب کیا ہے۔ پروفیسر صاحب کے یہ مضامین بلند پایہ علمی، معلوماتی اور فکر انگیز ہیں۔ جن سے ان کی عالمانہ وجاہت، تاریخ دانی، سیرت نگاری اور دین سے ان کی بے پناہ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

یہ کتاب انڈیا میں مکتبہ ترجمان ۱۱۶ اُردو بازار جامع مسجد دہلی نمبر ۶۔۰۰۰۱۱ اور کتب خانہ مسعودیہ ۸۰۵ اُردو بازار جامع مسجد دہلی نمبر ۶۔۰۰۰۱۱ حافظ عین الباری ۱۳ مارکوئس لین کلکتہ اور پاکستان میں پروفیسر غلام نبی گورنمنٹ کالج باغبانپورہ لاہور سے طلب کی جا سکتی ہے۔

تیرھویں صدی کا مذہب کے نام پر سیاسی فرقہ

مصنف: مولانا خالد گھرجاکھی۔

۴۸ صفحات، چھوٹا سائز، سادہ طباعت

ناشر: جمعیت اہل حدیث مصری شاہ۔ لاہور

مولانا خالد گھرجاکھی ایک سیماب صفت موحد ہیں جو کتاب و سنت کی تبلیغ کے سلسلے میں سندھ کے ریگزاروں سے نورستان کے کہساروں تک تگ و تاز رکھتے ہیں۔ مجاہدین سے بے پناہ عقیدت اور جہاد میں جذبۂ صادقہ کے مالک ہیں۔ وعظ و تبلیغ کے علاوہ قلم و قرطاس سے بھی شغف رکھتے ہیں۔ اس سے پیشتر امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کی سیرت و سوانح پر ایک ضخیم تالیف شائع کر چکے ہیں۔ اور دیگر تبلیغی کتابچے اور رسائل شائع کرتے رہتے ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتابچہ بریلویت کی بدعات و شنیعات کے رد میں ہے جو جمعیت اہلحدیث مصری شاہ کی طرف سے دوسری مرتبہ شائع ہوا ہے۔ یہ کتابچہ مفت تقسیم کے لئے ہے جو جمعیت مذکور کے علاوہ دفتر الاعتصام سے بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔

التوحید

از علامہ احمد بن حجر آل بوطامی السلفی، قاضی محکمہ شرعیہ قطر

اُردو ترجمہ از مولانا مختار احمد سلفی الندوی بمبئی (بھارت)

ضخامت: چھوٹا سائز ۱۲۲ صفحات

ناشر: ادارہ تبلیغ جماعت اہلحدیث جام پور ضلع راجن پور

یہ توحید کے موضوع پر علامہ احمد بن حجر السلفی کی عربی کتاب "تطہیر الجنان والارکان عن درن الشرک والکفران" کا اُردو ترجمہ نہایت سلیس اور شستہ ہے۔ کتاب میں علامہ موصوف نے نہایت عمدہ اور دل نشین انداز میں توحید و شرک پر بحث کی ہے۔ اور توحید کے اثبات اور شرک کی نفی میں نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ جس سے گمرہوں کو راہِ راست

(باقی ص ۲۳ پر)

اطلاعات و اعلانات

تبلیغی پمفلٹ

ادارہ عالم اسلامی دعوۃ السلفیہ کی ماہوار تبلیغی اشاعت ۹ بعنوان "عاشورا کی شرعی حیثیت" تالیف امام ابن تیمیہ رح اُردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو گئی ہے۔ شائقین ۔/۲ روپے فی کتاب کے حساب سے ڈاک ٹکٹ یا رقم بھیج کر طلب فرمائیں (ملک عبدالصبور بھٹہ ناظم ادارہ عالم اسلامی دعوۃ السلفیہ پرانی غلہ منڈی لوہاری گیٹ ملتان شہر، فون ۲۲۳۲۷)

خطیب، قاری، حافظ کے خواہشمند متوجہ ہوں

خطیب، قاری، حافظ کی خواہشمند جماعتیں اور مساجد کے متلاشی خطیب، قاری، حافظ پتہ ذیل پر رجوع فرمائیں۔ (ڈاکٹر عبدالغفار حلیم ناظم ادارہ مبلغین ضلع قصور۔ معرفت حافظ محمد صدیق جنرل سٹور ٹھینگ موڑ)

معمار و مزدور کی ضرورت

ہمیں ایک عمدہ معمار اور دو مزدوروں کی ضرورت ہے۔ قیام و طعام کے ساتھ اُجرت بھی اچھی ہوگی۔ خواہش مند بیس اکتوبر تک بذریعہ ڈاک اطلاع دیں۔ ہر ایک کا موحد اور نمازی ہونا ضروری ہے (ناظم مدرسہ دارالسلام کلیالہ۔ وادی سُون ضلع خوشاب)

دُعائے مغفرت

۲۲ ستمبر کو میرے بزرگ چراغ دین صاحب البستی کوٹ گوجراں ملتان) قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم دیندار اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ قارئین سے اپیل ہے کہ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت اور پس ماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کریں۔

(محمد صدیق طاہر خطیب جامع مسجد محمدی اہل حدیث پکا قلعہ گیٹ حیدرآباد۔ سندھ)

خریداران الاعتصام توجہ فرمائیں

جن احباب کی مدت خریداری ماہ ستمبر میں ختم ہو چکی ہے اور ماہ اکتوبر میں ختم ہو رہی ہے ان کی خدمت میں دفتر سے اطلاعی خطوط ارسال کئے جا چکے ہیں۔ براہِ کرم اطلاع ملتے ہی اپنا زرِ تعاون مبلغ پچاس روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔ بصورتِ دیگر ان کی خدمت میں وی پی ارسال کیا جائے گا جس کا وصول کرنا آپ کا دینی و اخلاقی فرض ہوگا۔

(منیجر الاعتصام)

بقیہ: درس حدیث

سے ہجرت کر کے اصلی وطن کو چلے جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار (قرب اور پڑوس) میں جئیں اور مریں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ جس طرح ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو ایمان بالغیب کی دولتِ بے زوال نصیب کی۔ اور ہماری خاک کو آب و ہوائے نبوت کے خمیر سے گوندھا۔ اور سید المرسلین خاتم النبیین کی اولاد سے بنایا، اسی طرح اب ہجرت کی توفیق عنایت کرے اور بہت جلد ملکِ ہند سے نکال کر حرمین شریفین زادہما شرفہا میں پہنچا دے۔

از گدایانِ توام شاہ بغربا مددے
کرچہ مرغانِ حرم در حرمت جا گیرم

(میں آپ کے گداؤں میں سے ہوں۔ اے میرے بادشاہ (اللہ تعالیٰ) میری مدد فرما، تاکہ میں بھی حرم کے پرندوں کی طرح تیرے حرم میں جگہ پالوں)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بقیہ: تحریک تحفظ ختم نبوت کے بانی

منظر عام پر آیا تھا، جن لوگوں نے اس دعوے کے فوراً بعد مرزا صاحب کا تعاقب شروع کر کے ہر مرحلے پر عوام الناس اور علمائے اسلام کو اس فتنہ سے باخبر کیا۔ وہ درحقیقت تحریک ختم نبوت کے بانی ہیں اور یہ اعزاز مولانا محمد حسین بٹالوی اور ان کے استاذ گرامی سید نذیر حسین محدث دہلوی کو مشترکہ طور پر حاصل ہوا ہے۔ فجزاهما الله عن جميع المسلمين خير الجزاء، غفرلهما وبرّد مضجعهما

(بشکریہ "المعارف" لاہور، اگست ۱۹۸۴ء)

بقیہ: تبصرۂ کتب

کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ ادارہ تبلیغ جماعت اہل حدیث جام پور کے سلسلہ اشاعت ۲۷ کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے جو خوبصورت طباعت اور رنگین اور دیدہ زیب سرورق کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے۔ پانچ روپے کا منی آرڈر یا ڈاک ٹکٹ بھیج کر ناشر سے یہ کتابچہ طلب کیا جا سکتا ہے۔

R.L.No : WEEKLY AL-AITISAM LAHORE
PHONE 54406